ہم، جنگلات اور مستقبل کی ہفتہ وار جدوجہد کی ہفتہ وار داستان

(مدثر رضا/نمائندہ اخبار جہاں)

ہفتہ وار جدوجہد کے اس ضمیمے میں ہم ہر ہفتے ایک ایسے جنگل، ایک ایسے دریا اور ایک ایسے انسان کا ذکر کریں گے جو اپنے حصے کا کام کر رہا ہے۔ کبھی یہ کام درخت لگانے کا ہوگا، کبھی کسی کٹتے جنگل کو بچانے کا، کبھی کسی خشک ہوتے دریا کو پھر سے بہنے کا موقع دینے کا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قاری ہر ہفتے یہ دیکھے کہ مسئلہ کیا ہے، کون اس پر کام کر رہا ہے اور وہ کام کس طرح کیا جا رہا ہے۔

تھرپارکر کے ریت زار میں پچھلے تین برس سے ایک خاموش تبدیلی آ رہی ہے۔ وہاں کے کئی گاؤں میں خواتین نے مل کر چھوٹی چھوٹی نرسریاں بنائی ہیں جہاں کیکر، پیلو اور جنگلی بیر کے پودے اگائے جاتے ہیں۔ یہ پودے بعد میں ریگزار کے کنارے اور بنجر زمین پر لگائے جاتے ہیں تاکہ ریت کو روکا جا سکے۔ اس کام کی قیادت کرنے والی ایک خاتون کا کہنا ہے کہ پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ درخت لگانا مردوں کا کام ہے، اب وہی عورتیں ہر صبح پانی کی بالٹی لے کر نرسری پہنچتی ہیں۔

دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں کام کرنے والی ایک تنظیم نے بتایا کہ پچھلے دو برس میں ساحل کے قریب مینگروو کے جو پودے لگائے گئے تھے، ان میں سے تقریباً 62 فیصد زندہ رہے ہیں۔ یہ شرح اس علاقے کے لحاظ سے اچھی سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہاں کھارا پانی اور تیز لہریں دونوں پودوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ تنظیم کے مطابق اصل مسئلہ پودے لگانے سے پہلے زمین کو تیار کرنا ہے، کیونکہ بغیر تیاری کے لگایا گیا پودا پہلی ہی لہر میں بہہ جاتا ہے۔

ہفتہ وار جدوجہد کا ایک حصہ ان کتابوں پر بھی ہوگا جو ماحولیات کے بارے میں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ ہر ہفتے ایک کتاب کا تعارف، اس کے مصنف کا انٹرویو اور قاری کے لیے ایک چھوٹا سا کام تجویز کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا صرف خبر نہ سنے بلکہ اس کے پیچھے کی سوچ کو بھی سمجھے اور اپنے گھر یا محلے میں اس سے کچھ عملی فائدہ اٹھا سکے۔

(مدثر رضا/نمائندہ اخبار جہاں)

ہفتہ وار جدوجہد کے اس شمارے میں ہم ایک ایسے دریا کا ذکر کریں گے جو کاغذ پر تو موجود ہے مگر زمین پر اس کا بہاؤ برسوں سے رکا ہوا ہے۔ یہ دریا ضلع سرمئی کے بالائی علاقوں سے نکلتا ہے اور تقریباً 112 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے۔ مقامی لوگ اسے برساتی نالہ کہتے ہیں، حالانکہ ریکارڈ میں اس کا نام دریائے سرمئی درج ہے۔ اس رپورٹ میں ہم دیکھیں گے کہ نام، نقشہ اور حقیقت کے درمیان فرق کیوں پیدا ہوا اور اس کا نتیجہ کون کون سے لوگ بھگت رہے ہیں۔

سرکاری کاغذات کے مطابق دریائے سرمئی پر چار چھوٹے بند بنائے گئے تھے جن کا مقصد آبپاشی کے لیے پانی روکنا تھا۔ ان بندوں کی لمبائی 1.2 کلومیٹر سے 3.5 کلومیٹر تک ہے اور ان کی گنجائش مجموعی طور پر 4.8 ملین مکعب فٹ بتائی گئی ہے۔ محکمہ آبپاشی کے ریکارڈ میں یہ بند فعال ظاہر کیے گئے ہیں اور ہر سال ان کی مرمت پر رقم خرچ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ لیکن موقع پر جانے والے صحافی کو صرف دو بند ایسے ملے جن میں پانی کھڑا تھا، باقی دو میں دراڑیں پڑ چکی تھیں اور ان کے دروازے غائب تھے۔

مقامی کسان بتاتے ہیں کہ پانی کی بندش کا اثر سب سے پہلے کھیتوں پر پڑا۔ گندم کی فصل جو پہلے دریا کے کنارے کنارے کاشت ہوتی تھی، اب وہاں صرف خشک مٹی ہے۔ کئی کسان اپنے ٹیوب ویل چلانے کے لیے ڈیزل خریدتے ہیں جس کا خرچ فی ایکڑ تقریباً 9 ہزار روپے بنتا ہے۔ جو کسان پہلے اپنی فصل بیچ کر قرض اتارتے تھے، وہ اب قرض میں مزید قرض لینے پر مجبور ہیں۔ بعض خاندان شہر کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں اور کھیت ٹھیکے پر دینے لگے ہیں۔

دوسری طرف دریا کے نچلے حصے میں صورت مختلف ہے۔ وہاں برسات کے دنوں میں پانی کھڑا ہو جاتا ہے اور قریبی دیہات میں گھروں کے اندر پانی داخل ہو جاتا ہے۔ یہ پانی بند کے اوپر سے بہہ کر آتا ہے اور اپنے ساتھ مٹی، کھاد اور کبھی کبھی مویشی بھی بہا لے جاتا ہے۔ یعنی ایک ہی دریا کا پانی ایک جگہ پیاس بجھاتا ہے اور دوسری جگہ تباہی لاتا ہے۔ یہ تضاد اس بات کا ثبوت ہے کہ پانی کا بہاؤ روکنے سے مسئلہ ختم نہیں ہوتا، صرف جگہ بدل جاتی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اس دریا کے لیے پورا بیسن ایک اکائی کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ اوپر بند بنانا اور نیچے سیلاب آنے دینا ایک ہی منصوبے کے دو رخ ہیں جو ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ بندوں کی مرمت سے پہلے ماحولیاتی جائزہ لیا جائے اور مقامی کسانوں کو فیصلے میں شامل کیا جائے۔ اگر پانی کو ذخیرہ کرنا ہو تو اس کے لیے الگ تالاب بنائے جائیں اور دریا کو اس کا قدرتی راستہ واپس دیا جائے۔

(مدثر رضا/نمائندہ اخبار جہاں)

ہفتہ وار جدوجہد کے اس شمارے میں ہم ایک ایسے دریا کا ذکر کریں گے جو نقشے